رسائل و مسائل

اسلامی نظامِ معیشت کے متعلق چند سوالات

سوال: (۱) فرد کی آزادی اگرچہ اسلام میں مطلوب و مقصود ہے لیکن کیا یہ اس نظام میں بھی ممکن ہے جس میں وسائلِ پیداوار پر فرد کے حقِ ملکیت کو تسلیم کیا جائے؟

(۲) جن لوگوں نے ظلم، حق تلفی، زیادتی اور استحصال سے دولت کمائی ہو۔ کیا اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ ظالم سے مظلوم کا حق واپس دلائے؟ زکوٰۃ اور اسلام کا قانونِ وراثت دولت کے اِس ارتکاز کا مؤثر طریق سے علاج نہیں کرسکتا۔

(۳) سرمایہ کا ارتکاز بہرحال ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سرمایہ پر ملکیت کس کی تسلیم کی جائے؟ فرد کی یا جماعت کی؟

(۴) کہا جاتا ہے کہ اسلام معاشی انصاف اور اقتصادی ہمواری کے لیے تمام افراد کو اپنی فطری استعداد کے مطابق یکساں مسابقت کا حق دیتا ہے۔ انفرادی آزادی کے موجودہ تصور کی رُو سے یہ مسابقت کیونکر ممکن ہو سکتی ہے جبکہ باوسیلہ اور بے وسیلہ افراد کے لیے اپنے مخصوص حالات کی بنا پر اس یکسانیت کو برقرار رکھنا عملاً ممکن نہیں!

(۵) کیا یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ سے اس بات کی گنجائش نہیں نکالی جاسکتی کہ اگر ضرورت ہو تو طاقت کے ذریعہ لوگوں سے اُن کا زائد مال لے لیا جائے؟

(۶) کیا انفرادی ملکیت کا حق شریعت کا کوئی ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس پر مسلمان کے کفر وایمان کا دار و مدار ہو؟ اب اگر موجودہ دور میں خالص علمی اور فنی بنیادوں پر یہ متحقق ہو جائے کہ فی الحقیقت

پیداوار پر فرد کا کنٹرول تسلیم کرنا اجتماعی معاملات میں فساد کا موجب ہے تو آخر اس حق کو ساقط قرار دینے میں ایسا کون سا عذرِ شرعی ہے جو صریح طور پر منصوص ہو؟

جواب (از عبدالحمید صدیقی) یہ سوالات دراصل ایک طویل بحث کے سلسلے میں مولانا محترم سے کیے گئے تھے لیکن اپنی مضمحل صحت اور کاموں کے ہجوم کی وجہ سے وہ جواب کے لیے وقت نہ نکال سکے اس لیے میں مختصراً چند اصولی باتوں کی وضاحت کرتا ہوں جس میں ان سوالات کا جواب خود بخود آجائے گا۔ انفرادی ملکیت کے خلاف سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ لوٹ کھسوٹ اور استحصال کا ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ انفرادی ملکیت سے کسی فرد کے ہاتھ دولت کی صورت میں وہ قوت آجاتی ہے جس سے وہ شخص بے بس افراد اور طبقوں کی محنت سے حاصل کردہ قدرِ زائد (SURPLUS VALUE) ہتھیا لیتا ہے۔ آپ اگر اس معاملے پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس استحصال کی اصل بنیاد کمزور طبقوں کی بے بسی اور صاحبِ ثروت لوگوں کی قوت و طاقت ہے جو انہیں پیدائش دولت کے ذرائع پر قبضہ کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ میں اس اس بات کا قائل ہوں کہ قوت خواہ وہ دولت سے حاصل ہو یا مسندِ اقتدار سے، اگر ظلم و زیادتی پر آمادہ ہو جائے تو معاشرے کو غیر معمولی نقصان پہنچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس قوت کو کسی ایک فرد یا گروہ میں مرتکز نہیں ہونے دیا اور اس بات کا التزام کیا ہے کہ یہ قوت زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پھیلے تاکہ یہ بگڑنے کی صورت میں کم سے کم نقصان کی باعث بنے۔ اور اس کے ہاتھ کو آسانی کے ساتھ روکا جا سکے۔ اگر کسی ملک میں چند افراد یا چند خاندان وسائلِ پیداوار پر قبضہ کر کے عوام کے لئے عذاب بن سکتے ہیں اور اُن سے نجات حاصل نہیں کی جا سکتی، تو ذرا اُس حالت کا اندازہ کیجیے جبکہ معاشرے کے محنت کشوں کی پوری قدرِ زائد حکومت کے ہاتھوں میں چلی جائے، جس کے چلانے والے بہرحال چند لوگ ہی ہوں گے اور ان کے ہاتھ میں معاشی طاقت کے ساتھ ساتھ سیاسی طاقت بھی ہوگی اور محنت کش طبقے اس باجبروت طاقت کے سامنے بے بس ہوں گے۔ اس اعتراض کا جواب عام طور پر یہ دیا جاتا ہے حکومت کے ہاتھ میں جو کچھ ہوگا، عوام اس کے مالک ہوں گے۔ لیکن یہ محض فریبِ نظر ہے۔ نظریاتی اعتبار سے خوش کن باتیں کر کے خواہ دل کو کتنا ہی بہلا لیا جائے لیکن عملی حیثیت سے اس نظام میں زمامِ کار ایک مختصر سے طبقے کے ہاتھ ہی میں ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ طبقہ سیاسی

اقتدار کا مالک بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ملک کے پورے وسائل پیداوار پر بھی قابض ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس آخر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ طبقہ سرمایہ داروں کی طرح بے پناہ قوت پا کر ظالم اور مستبد نہیں ہو جائے گا اور وہ قدرِ زائد کی صورت میں جمع ہونے والی دولت کو عدل و انصاف ہی کے ساتھ معاشرے کے ہر طبقے میں تقسیم کرے گا؟ جن ممالک نے انفرادی ملکیت کو ختم کیا ہے کیا وہاں استحصال کے سارے دروازے بالکل مسدود ہو چکے ہیں؟ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ ان کو محنت کش طبقے ہی منتخب کریں گے۔ لیکن کیا ایک دفعہ انتخاب کے ذریعہ سے ان کو اقتدار سونپ دینے کے بعد پھر کبھی انہیں ہٹایا بھی جا سکے گا؟ ہٹا دینا تو در کنار، کیا انہیں ہٹانے کی بات بھی کوئی کر سکے گا؟

لوگوں نے انفرادی ملکیت کے خاتمہ کو خواہ مخواہ ساری معاشی بیماریوں کا حل سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ دراصل اجتماعیت کی اُس کبریائی کا مظہر ہے جسے مادّی فلسفہ نے جنم دیا ہے جب مادہ پرستی کی بدولت انسان کے اندر سے نظم و ضبط میں رکھنے والے لطیف احساسات ختم ہو جاتے ہیں تو پھر معاشرے کی خدائی اور اس کی بے حس جکڑ بندیاں لوگوں کو کسی ضابطۂ حیات کا پابند رکھنے کے لیے درکار ہوتی ہیں اور انفرادی ملکیّت کی نفی اس حقیقت کا اعلان ہوتی ہے کہ اب فرد کو قابو میں رکھنے کے لیئے اسے معاشرے کے نام پر قیدی بنا لیا گیا ہے، معاشرے کو چلانے والا نظام اب اسے جس حیثیت میں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔

اسلام انسان کے بارے میں اس تصوّر کو بنیادی طور پر غلط سمجھتا ہے۔ اُس نے بعض ایسے ناقابلِ تنسیخ حقوق انسان کو دیے ہیں جو انسانیت کے اصل جوہر کو نکھارنے اور نشو و نما دینے کے لیے انتہائی ضروری ہیں ان میں سے ایک حق ذاتی ملکیت کا حق ہے۔ اسلام کے قانون کی رُو سے یہ حق چند متعیّن ضوابط کے مطابق حاصل ہوتا ہے، چند متعیّن ضوابط کے تحت ہی استعمال کیا جا سکتا ہے، چند متعیّن حقوق اس حق کے ساتھ انسان پر عائد کیے جاتے ہیں، اور کوئی شخص جسے ان ضوابط کے تحت کوئی حقِ ملکیّت حاصل ہُوا ہو، اور وہ اپنے اوپر عائد ہونے والی پابندیوں اور حقوق کو ادا کر رہا ہو، اپنے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اس کے متعلق ایک نص پوچھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا پورا قانونی نظام اس پر نص ہے جس سے شریعت کا کوئی سرسری علم رکھنے والا بھی ناواقف نہیں ہو سکتا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جن لوگوں نے ظلم، حق تلفی، زیادتی اور استحصال سے دولت کمائی ہو کیا اسلامی حکومت

پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ ظالم سے مظلوم کا حق واپس لے؟ تو یہ حق اُس پر بلا شبہ عائد ہوتا ہے۔ میں یہ بھی گزارش کر دوں کہ اس ضمن میں آپ نے مولانا محترم کی طرف جو بات منسوب کی ہے وہ بھی صحیح نہیں کہ وہ گزشتہ ناانصافیوں کو جُوں کا تُوں قائم رکھنے کے حق میں ہیں۔ شاید ہی مولانا کی کوئی تحریر ایسی ہو جو میری نگاہ سے نہ گزری ہو۔ اُن کی بعض کتابوں کو تو میں نے کئی بار پڑھا ہے۔ لیکن میں نے یہ بات کہیں نہیں دیکھی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اُن کے موقف کو آپ نے صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ ان ناانصافیوں کو دُور نہ کیا جائے۔ بلکہ صرف یہ فرماتے ہیں اگر کس شخص نے کہاں تک ناانصافی کی ہے، اور اُس نے کس حد تک دستِ ظلم دراز کیا ہے۔ اس کو دیکھے اور تحقیق کیے بغیر آنکھیں بند کر کے اُس کی ساری جائداد بحق سرکار ضبط کر لینا ایک ظلم کے جواب میں دوسرا ظلم ہے۔ بے انصافیوں کے تدارک کا صحیح راستہ یہ ہے کہ اُس کے ظلم اور استحصال کو پہلے ثابت کیا جائے اور پھر اُس نے لوگوں کا جو مال غصب کیا ہو اُس سے لے کر حق داروں کو واپس دلایا جائے اور اس بات کا ثبوت فراہم کرنا یا تو حکومت کی ذمہ داری ہے یا اُن لوگوں کی جو اُس کے مظالم کا شکار ہیں۔ مولانا محترم کی متعدد تحریروں، تقریروں اور اُن کی نجی محفلوں سے میں نے یہی کچھ اخذ کیا ہے۔ میں نے بہت غور کیا ہے لیکن مجھے تو کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس کی آپ نشاندہی کر رہے ہیں۔

اس ضمن میں یہ گزارش بھی کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کو اُس کے پورے ظالمانہ لوازم اور مظاہر کے ساتھ سامنے رکھ کر انفرادی ملکیت کی بات کرتے ہیں حالانکہ اسلامی نظامِ معیشت سرمایہ داری سے بھی اتنا ہی دُور ہے جتنا کہ اشتراکیت سے۔ ان دونوں نظاموں میں معاشی تگ و تاز کا مقصود دولت اور مادّی فلاح ہے۔ لیکن اسلامی نظام میں دولت اور مادّی فلاح، دونوں میں سے کوئی چیز بھی منتہائے مقصود نہیں۔ یہاں منتہائے مقصود خدا کی رضا ہے اور دولت کی اہمیت صرف اس قدر ہے کہ وہ انسان کے لیے دنیوی زندگی کی ضروریات میں سے ہے۔ اس ضرورت کی چیز کو مضر بننے سے روکنے اور اخلاقی و مادّی دونوں حیثیتوں سے انسان کے لیئے مفید بنانے کی خاطر اسلام نے خود ایک نظام تجویز کیا ہے۔ جو نافذ ہوگا تو پُورا کا پُورا نافذ ہوگا۔ اس میں سے صرف انفرادی ملکیّت کا حق الگ نکال کر سرمایہ دارانہ نظام کی بے قیدیوں اور بے لگامیوں کے ساتھ نافذ نہیں کر دیا جائے گا۔ آپ کے سارے شبہات و اعتراضات دراصل اسی غلط مفروضے پر مبنی ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام

تو اپنی اسی صورت میں باقی رہے گا جو مغرب سے آیا ہے اور اسلام میں صرف انفرادی ملکیت کا حق لے کر اس کو سند جواز دے دی جائے گی۔ دولت کے بارے میں فکر و نگاہ کی جو تبدیلی اسلام پیدا کرتا ہے اور اس کے مطابق جو نظام تجویز کرتا ہے اس کے مضمرات پر آپ نے غالباً غور نہیں فرمایا ہے۔

آپ نے سرمایہ اندوزی (CAPITAL FORMATION) کا بھی ذکر فرمایا ہے لیکن اس سلسلے میں بھی میں عرض کردوں گا کہ کسی ملک کی معیشت کو بہتر بنانے کا یہی ایک راستہ نہیں ہے کہ قدر زائد کو چند مقامات پر یا ایک مقام پر مرتکز کر کے پھر اُس سے سرمایہ کاری کی جائے۔ یہ طریقہ تو اشتراکیت اور سرمایہ داری کا ہے۔ مسلمانوں نے سرمایہ کے مقابلے میں ہمیشہ محنت کو معاشی ترقی کی بنیاد بنایا ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے۔ آخر کیا ضروری ہے کہ ہم بھی مغرب کی تقلید میں سرمایہ کی بنیاد پر معاشی استحکام پیدا کریں۔ مسلمان ممالک میں محنت کے جو وسیع ذرائع موجود ہیں اُن سے فائدہ اُٹھا کر کیا وہاں کے معاشی حالات کو بہتر بنانے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی؟

(بقیہ اشارات)

یہ وہ نازک وقت ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے بارے میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنے لیے کس انجام کے طالب ہیں۔ یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر انہوں نے ان اقوام کی پیروی کی تو یہ جلد ہی اُس بد انجام کو پہنچ جائیں گے جس کی طرف یہ مغربی قومیں بڑھ رہی ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے دانشمندی کی راہ اختیار کر کے خدا پرستی کا مسلک اختیار کیا تو نہ صرف یہ خود بُرے انجام سے بچ جائیں گے بلکہ ممکن ہے کہ وہ دوسری اقوام کو بھی بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔